قومی ایوارڈ یافتہ مقالہ

جناب ابرار خٹک*

”مفاہمتی عمل کے لیے پائیدار حکمتِ عملی کی تشکیل تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں“

مفاہمت کا مفہوم:

مفاہمت کا مادہ فہم ہے، فِهماً و فهماً و فهامةً و فهامةً و فهامیہ، جس کے معانی ہیں، ”سمجھنا“ فهّمہ و افهمہ ”سمجھانا“ تفاهمہ ”بعض کا بعض سے سمجھنا“۔(۱)

جبکہ مفاہمت کے معانی ”باہم کسی معاملے پر سمجھوتا“ کے ہیں۔(۲)

مفاہمت کا دائرۂ عمل:

اگر چہ مفاہمت کے عمل کا انحصار دراصل باہمی معاملات کی نوعیت پر ہوتا ہے تاہم اس کا دائرۂ عمل صرف افراد تک محدود نہیں بلکہ گروہ، اقوام وممالک تک وسیع نظر آتا ہے اور عصرِ حاضر میں عالمی سطح پر اسے قانون بین الممالک یا (International Law) کے معیار پر پرکھا جاتا ہے، بمطابق ڈاکٹر حمید اللہ:

”اس قانون کی اساس ابتداً افراد کے باہمی تعلقات پر ہونی چاہیے۔ لیکن ہم اپنی ضرورتوں کی وجہ سے اس کو افراد کے تعلقات سے نہیں ملاتے بلکہ ذرا اور بعد کے زمانے سے شروع کرتے ہیں۔ افراد کے بعد کنبوں اور خاندانوں کا زمانہ آتا ہے۔ ایک کنبے یا ایک کے تعلقات دوسرے کنبے یا خاندان سے ہوں۔ یہ بھی ایک معنی میں انٹرنیشنل چیز بن جاتی ہے۔ جب ہر کنبہ اپنی جگہ خود مختار ہو اور دوسرا کنبہ بھی مساوی خود مختاری کا حامل ہو تو ان کے کچھ باہمی تعلقات ہوتے ہیں، لیکن اسے بھی نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی حیثیت اتنی اہم نہیں کہ اس علم کے شایانِ شان ہو۔ اس کے بعد قبیلوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ ایک قبیلے میں بہت سے خاندان ہوتے ہیں اور ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ قبیلے خود مختار رہتے ہیں۔ مثلاً اسلام سے پہلے عرب میں ہر قبیلہ اتنا ہی خود مختار ہوتا تھا جتنی آج کل بڑی

* ریسرچ اسکالر، استاد شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج نوشہرہ خیبر پختونخوا

سلطنتیں ہوسکتی ہیں۔وہ نہ صرف حالتِ امن کے تعلقات میں' بلکہ حالتِ جنگ میں بھی خودمختاری رکھتا تھا۔ہر قبیلے کا سردار دوسرے قبیلے کے خلاف اعلانِ جنگ کرسکتا تھا۔معاہدے کرسکتا تھا۔غرض وہ تمام کام سرانجام دے سکتا تھا جن کو اب سلطنت یا ایک مملکت اپنی امتیازی شان سمجھتی ہے اور اس کا آغاز مملکت سے کرتے ہیں' چاہے وہ چھوٹی ہی ہو۔"(۳)

گویا دو یا دو سے زیادہ افراد' گروہ' اقوام وممالک کے درمیان کسی بھی معاملے پر بشمول ممالک کے درمیان دوطرفہ تعلقات' گہری دلچسپی کے امور وامکانات' ذہنی وفکری ہم آہنگی اور باہمی اتفاق ورضامندی کی بنیاد پر تحریری/غیر تحریری عہد وپیان کو مفاہمت کہا جاتا ہے۔

پائیدار حکمتِ عملی کا مفہوم:

پائیدار کے معانی مضبوط' پختہ' پکا' دیرپا اور مستحکم کے ہیں'(۴) جبکہ حکمتِ عملی کا مطلب تدبیر' ہوشیاری' دور اندیشی' پالیسی' ملکی مصلحت اور چھل بل کے ہیں۔(۵) اس کے لیے انگریزی میں مترادف لفظ (policy) استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یوں ہے:

Policy :the rules and forms of manangement :a wisdom in : managing Plolitical sagacity :a written agreement between insurer and the insured .warrant.

طریق یا فنِ انتظام' حکمتِ عملی' دوراندیشی' معاہدہ' بیمہ تحریدی عہد وپیان' دانشمندانہ طرزِ عمل' راہِ عمل' پالیسی۔(۶)

گویا حکمتِ عملی اس لائحہ عمل کا نام ہے جو ریاست کے آئین ودستور اور معروضی حقائق کو مدِ نظر رکھ کر باریک بینی اور انتہائی غور وخوض کے بعد متعلقہ ماہرین کی باہمی مشاورت سے کسی معاملے کے لیے وضع کیا جاتا ہے اور درج بالا مبادیات پر عمل کو ہر لحاظ سے یقینی بنا کر ہی اس کی توثیق کی جاتی ہے۔حکمتِ عملی داخلی بھی ہوسکتی ہے اور خارجی بھی' یہی معاملہ مفاہمتی عمل کا بھی ہے۔مفاہمت کا عمل افراد سے شروع ہوکر اقوام وممالک تک پھیلتا ہے چونکہ مفاہمتی عمل کسی بھی ملک کی خارجہ حکمتِ عملی کے مبادیات کے زیرِ اثر ہوتا ہے اس لیے ہم اس کو خارجہ پالیسی کا نام دے سکتے ہیں۔

عالمی سطح پر خارجہ حکمتِ عملی (Foreign Policy) کا مفہوم:

بین الاقوامی سطح پر' مشہور ماہرِ سیاسات نارتیج (Northege) اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"The primary task of the policy-maker is to articulate the country's external enterests and order them in some scheme of relative importance .the articulation

and ordering of interests must be continioususly changing through times ,but a rough-and -ready pattern in the case of most states might follow the following lines .at the head must come self-preservativation .the maintenance of the physical integrity of the country and the unity of its people :to this all else will tend to be subordinated."(7)

پروفیسر محمد صدیق قریشی کے الفاظ میں:

خارجہ پالیسی اُصولوں کے گروہ کی تشکیل اور تعمیل کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے' جو ایک ریاست کے مثالی طرز عمل کو قالب میں ڈھالتے ہیں جب وہ دوسری ریاستوں کے ساتھ اپنے مفادات کے تحفظ یا فروغ کے لیے مذاکرات کر رہی ہوتی ہے۔"(۹)

لارڈ پالمرسٹن کا یہ مشہور مقولہ بھی عالمی خارجہ سیاست کے حوالے سے انتہائی شہرت رکھتا ہے:

"In International relations there can be no eternal friends nor can there eternal enimies ,the only eternal is national intrest."

"بین الاقوامی تعلقات میں کوئی دوست دائمی ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی دشمن بلکہ صرف قومی مفاد دائمی ہوتا ہے۔"

پرکاش چندر نے (Parkash chandar) خارجہ پالیسی یا حکمتِ عملی کے مبادیات کو جامع انداز میں سمونے کی کوشش کی ہے:

"in the formation of a country's foreign policy both the objective and the subjective factors play an aimportant role .The objective factors which influence a country's foreign policy include the envoironmental factors like historical influence, geographical location, natural resources, industrial development, population etc.the subjective factors on the other hand refer those specific development, or partcular situations which influence the foreign policy of a country .A country's foreign policy shall be successful in achieving its objectives if "it is based as far as possible on an accourate assessment of the facts :it is temely ,in the long run and shortrun senses of the world :if it is self consistant as the nature of foreign policy allows it to be:if undersood and backed by relevent social forghn forcess.at home ,if supplemented by appropriate resourcess and if smiled and by forutune ,But above all a foreigh policy is perhaps most likely to

succeed if it is moving with the tide of affairs and weaving itself into the position of other states rather than pitting itself against their resistance. "(10)

اسلام اور قانون بین الممالک (International Law)

رسول اللہ ﷺ کی مفاہمانہ حکمت عملی کا تعین کرنے کے لیے ہمیں آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا عرق ریز مطالعہ کرنا ہوگا۔ مفاہمت کا عمل بیرونی دنیا سے اسلامی ریاست کے تعلقات و معاملات کی راہیں متعین کرتا ہے اور "یہ آپ ﷺ کی سیرت کا ایک ایسا گوشہ ہے جس کی جانب آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے احوال بیان کرنے میں عام طور پر ذہن متوجہ نہیں ہوتا' اس لیے یہ باب بحث و تحقیق کا خصوصی موضوع ہے اور اس کو آپ ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔" (۱۱) نیز فقہ مدوّن کرنے والوں نے بھی اس کو اسلامی فقہ ہی کا ایک جز تصور کیا اس لیے اس کو الگ باب "انٹرنیشنل لاء کا نام نہیں دیا۔" "مسلمانوں نے اپنے قانون کو زیادہ جامع بنانے کے لیے پہلے ہی دن سے اس کو دین و دنیا دونوں کا حامل بنایا اور اس میں صلوٰۃ' روزہ' حج' زکوٰۃ جیسی عبادتوں کا بھی ذکر کیا' تجارتی معاملات اور وراثت کا ذکر بھی کیا اور اس میں انٹرنیشنل لاء کا ذکر بھی کیا' ایک لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان فقہاء کا تصور یہ رہا کہ انٹرنیشنل لا کوئی انٹرنیشنل چیز نہیں ہے بلکہ ہماری اپنی چیز ہے، ہماری چیز اس معنی میں کہ اجنبی ممالک سے حالتِ امن یا جنگ' جس قائدے پر عمل کریں' وہی ہمارا انٹرنیشنل لا ہے، یہ نہیں کہ اس کو اوروں کے مشورے اور رضامندی سے مدّون کیا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے بلکہ ان کے نزدیک اسلامی انٹرنیشنل لا' اسلامی انٹرنیشنل لا کا ایک جزو ہے۔" (۱۲)

قانون بین الممالک (International law) کا آغاز:

عصرِ حاضر میں مفاہمتی عمل کا تعلق عموماً انٹرنیشنل لا قانون بین الممالک سے ہوتا ہے اس لیے تحقیق نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ اس کی ابتداء بھی "سرورِ عالم ﷺ" کی ذکاوت فکر و عمل کا نتیجہ ہے حتّٰی کہ خود مغربی مفکرین اپنی ہی تحقیق پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ "اسلامی فقہ پر رومی فقہ کا اثر نہیں۔" (۱۳) اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ کا خیال ہے:

"قانون بین الممالک جو حقیقت میں بین الممالک بھی ہو اور قانون بھی ہو' مسلمانوں سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا آغاز کس طرح ہوا؟ اور چیزوں کی طرح یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر مبنی ہے' کیونکہ جب مکہ معظمہ میں اسلام شروع ہوا تو ابتدا میں بھی بہت سی دشواریاں تھیں کیونکہ مسلمانوں کے پاس کوئی مملکت نہیں تھی۔ وہ شہرِ مکہ میں رہتے تھے اور ہم اس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ مملکت کے اندر ایک مملکت (State with in state) کی حیثیت رکھتی تھی' یعنی مسلمانوں کی آبادی شہرِ مکہ میں تو تھی' لیکن شہر مکہ کے پرانے نظام کے تحت نہیں تھی۔ پرانے شہر مکہ کا جو حاکم تھا اس کی وہ اطاعت نہیں کرتے تھے اور اپنی ہر ضرورت کے لیے اپنے سردار رسول اکرم ﷺ سے رجوع کرتے۔ ان کا اپنا ایک قانون تھا اپنی ایک تنظیم تھی۔ میں یہ بھی کہتا چلوں کہ اسلام کے آغاز پر شہرِ مکہ واقعی ایک شہری مملکت کی

حیثیت رکھتا تھا۔اس میں کچھ آزاد قبیلے تھے جو خانہ بدوش لوگوں پر مشتمل تھے۔عرب میں کچھ اور شہری بھی تھے۔ایسے شہروں کے حالات پر اب تک کم کام کیا گیا' البتہ طائف اور مکّہ کے متعلق بعض چیزیں تحریر ہوئی ہیں۔لیکن اور بھی شہر تھے۔مثلاً شہرِ مدینہ کے حالات پر قانونی نقطہ نظر سے میری نظر سے آج تک کوئی چیز نہیں گزری۔اس کے متعلق بہت کم ایسی چیزیں ملتی ہیں جن کا تعلق اسلام سے پہلے کے ادوار سے ہو۔''(۱۴)

قانون بین الممالک یا (International law) کا آغاز آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا عظیم کارنامہ ہے' جس نے انسانیت کو مقامِ آدم کے آفاقی قدروں سے روشناس کیا' آپ کے ذریعے کرۂ ارض پر امن وسلامتی' باہمی احترام اور رواداری کی نئی قدریں متعارف ہوری تھیں اور ربّ کائنات' آپ ﷺ کے ذریعے ایک عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل کے غیر معمولی فریضے کی تکمیل کرر ہا تھا۔

''وحدت' توازن واعتدال اللہ نے صرف نظامِ کائنات ہی میں نہیں' انسانی رشتوں' معاشروں اور اقوام وملل کی بنیادوں میں بھی رکھے ہیں۔پوری انسانیت کو اے ابنِ آدم! اے لوگو! کے کلمے سے مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ ''تقوٰی '' کو ہر انسان کے لیے شرف و برتری کی معراج قرار دیتے ہیں۔رنگ ونسل' اعلیٰ و برتر و دیگر غیر فطری امتیازات کا خاتمہ کر کے انسانیت کو رواداری کی لڑی میں پروتے ہوئے' سلامتی وامن (اسلام) کے حقیقی سرچشموں سے سیراب کرنا چاہتے ہیں۔''(۱۵)

قرآن میں اللہ تعالیٰ انسانیت سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد وعورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا اور ہم نے تمہاری پہچان کے لیے تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا۔بے شک تم میں زیادہ باعزت اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اخبردار ہے۔''(۱۶)

بندگی اور عبادت کی آزمائش کا عمل سکون کا متقاضی ہے کہ بگاڑ' انتشار اور ٹکراؤ فکر وعمل کے لیے زہر قاتل ہیں' جس سے توحید کے مقابلے میں شری قوتیں متحرک ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''رحمت اللعالمین' کے ذریعے اہلِ عالم کو توحید کی دعوت اسی لیے دی گئی کہ وہ دنیا کو امن وسلامتی کی بستی بنانا چاہتے ہیں' آپ ﷺ قرآن کے اس پیغام کے ساتھ اہلِ کتاب سے مخاطب ہوتے ہیں:

''اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے' کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں' اس کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔'' (۱۷)

آپ ﷺ نے ہر انسان کو بلا امتیازِ رنگ ونسل' مقام وحیثیت اس مرتبہ پر پہنچایا کہ قرآن کے فرمان کے مطابق:

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اُس نے

گویا تمام انسانیت کو قتل کر دیا۔'' (۱۸) ''کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔'' (۱۹) فارسی کے عظیم شاعر شیخ سعدی شیرازی نے اس مضمون کو جو دراصل حدیثِ نبوی ﷺ ہی کا ترجمہ ہے (۲۰) قطعہ کی صورت میں یوں ڈھالا ہے:

بنی نوع اعضائے یک دیگرند — کہ درآ فرینش زیک جوہرند

چو عضو بدرد آورد روزگار — دگر عضو ہارا نہ ماند قرار

تو کز محنت دیگران بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی (۲۱)

(بنی آدم ایک جسم کے اعضا کی مانند ہیں کیونکہ ان کی پیدائش ایک جوہر سے ہوئی ہے۔ اگر زمانے کی وجہ سے ایک عضو تکلیف میں ہوگا تو دوسرے اعضا بھی بے چین ہوں گے۔ تو کہ دوسروں کی تکالیف سے بے غم ہے' تیرا نام آدمی رکھنے کے قابل ہی نہیں)

''لاریب کرۂ ارض پر الہامی دستور (قرآن) کے مطابق عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل عین منشائے ایزدی ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''رحمت اللعالمین'' اور خود ان کی امت ''امتِ واحدہ'' ''اُمّۃ و سطا لتکونو شھداء علی الناس'' (البقرہ: ۱۴۳) کے رُوپ میں صوری و معنوی تشکیل دراصل اسلامی نظامِ حیات و معاشرت کے لباس میں سابقہ جملہ نظام ہائے دنیاوی کی نئی تشکیل تجدید وارتقا ہے کیونکہ اسلام قدرتی بناوٹ' الہامی فکرو تفلسف اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی عملی زندگی ''اسوۂ کامل'' کے لحاظ سے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔'' (۲۲)

ان غیر معمولی صفات کا فطری نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لیے بطور مثالی نمونہ (رول ماڈل) پیش کیا:

''اور بے شک آپ ﷺ کی زندگی میں لوگوں کے لیے عمل کا بہترین نمونہ موجود ہے۔'' (۲۳)

رسول اللہ ﷺ ہی انسانیت کے لیے بطورِ مثالی نمونہ (رول ماڈل) کیوں؟

''وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں شامل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنفِ انسانی سے متعلق ہوں۔ اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے۔ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے سے یہ دنیا چل رہی ہے' اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم' مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی۔ امن و امان کے قیام کے لیے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی' غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی۔ رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی' اہل و عیال بھی ہیں اور دوست احباب بھی' تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام و پیشوا بھی۔ غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمے اور نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سنتِ نبوی

ﷺ کے اتباع کی دعوت دیتا ہے۔اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لیے اپنے پیغمبر ﷺ کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے۔اسلام کے صرف اس نظریے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں جامعیت ہے۔"(۲۴)

حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی دُعا:

"یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (انہوں نے دُعا کی) اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے۔ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔"(۲۵)

اس دعا کی قبولیت کا تقاضا تھا کہ ایک ایسی مکمل شخصیت کا ظہور ہو جو ہر لحاظ سے انسانیت کی رہنمائی کر سکے۔ان کا قول و فعل ایک ہو اور ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہو جس میں بلا امتیاز ہر شخص اپنی ضرورت اور ظرف کے مطابق رہنمائی تلاش کر سکے:

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہندوستان، ایران اور چین کے بانیانِ مذاہب کی اخلاقی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہو تو معلوم ہوگا کہ اس کے لیے دنیا میں کوئی سامان ہی موجود نہیں، کیونکہ ان کی اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر ناواقفیت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔صرف اسلام ہی کے معلّم کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے اور بقول باسورتھ اسمتھ کے کہ: یہاں (سیرت محمد ﷺ) پورے دن کی روشنی ہے جن میں محمد ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے۔"(سیرت محمد: ص (۱۰۸) آنحضرت ﷺ کا خود یہ حکم تھا کہ میرے ہر قول اور عمل کو ایک دوسرے تک پہنچاؤ۔محرمانِ راز کو اجازت تھی کہ جو مجھے خلوت میں کرتے دیکھو اس کو جلوت میں برملا بیان کرو، حجرہ میں کہتے سنو اس کو چھت پر چڑھ کر پکارو۔"(۲۶)

آپ ﷺ کی شخصیت جامع الصفات؛ پوری انسانیت کے لیے مثالی نمونہ اور مشعلِ راہ:

محمد ﷺ کی درسگاہِ اعظم میں آ کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عمومی جامعہ ہے جس میں انسانی ترقی کی ہر قوت نشو و نما پا رہی ہے۔خود معلّم کی ذات ایک پوری یونیورسٹی ہے، جس کے اندر علم و فن کا شعبہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور ہر جنس اور ہر مذاق کے طالب علم آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق کسب فیض حاصل کرتے ہیں۔"(۲۷)

آپ ﷺ کی شخصیت کا افضل ترین پہلو جو تمام انبیاءؑ میں آپ ﷺ کو ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف اپنی قوم یا اُمت کے لیے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ تمام انسانیت کے لیے ہیں، جس میں تمام مخلوقات بھی شامل ہیں:

"کہہ (اے نبی ﷺ) میں رسول ہوں اللہ کا سب کی طرف"(۲۸)

''میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔'' (۲۹)

''پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔'' (۳۰)

اس لیے اللہ نے قرآن میں بشارت دی:

'' وما ارسلنک الاّ رحمۃ ًللعالمین '' ''اور اے نبیؐ ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر'' (۳۱)

''رحمت کے معنی میں پیار، ترس، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خیر خواہی سب شامل ہوں گے۔ عالم سے مراد ہر وجود پذیر شے کا ایک طبقہ ہے۔ اس طرح اس کائنات میں کئی عالم ہیں اور چونکہ آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں، اس لیے آپ کائنات کے ہر طبقہ کے لیے رحمت ہیں۔ رحمۃ اللعالمین وہ ذات ہے جسے کائنات کی ہر شے سے ہمدردی اور محبت ہے۔ ہر ایک پر ترس کھاتی ہے اور ہر ایک کی غمگسار ہے۔'' (۳۲)

بہتر ہوگا کہ ہم آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اس باب کا خاتمہ علامہ سیّد سلیمان ندویؒ کے اس جامع اقتباس پر کریں:

''اگر تم مطالعہ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد ﷺ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالمگیر رہنما نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے اعلان فرمایا: ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ : ''اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے، تو آؤ میری پیروی کرو'، اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم سپہ سالار ہو یا سپاہی ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو، اگر دولت مند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بے کس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم خدا تعالیٰ کے عابد و زاہد ہو تو میری پیروی کرو، اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو، غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لیے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔'' (۳۳)

مبادیاتِ مفاہمت

قرآن اور مفاہمت:

قرآن تمام معاملات کو انصاف کے ترازو سے پرکھتا ہے اور پوری انسانیت کے لیے بلا امتیاز یہی معیار ہے جس میں کسی کو استثنیٰ نہیں۔ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔'' (۳۴)

''اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو! اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔'' (۳۵)

اسلامی ریاست کے معاملات اندرون و بیرون اسی اساس پر قائم ہوں گے اور اس سے انحراف اللہ کی گرفت اور تباہی کا باعث بنے گا۔ اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کی بنیاد پر کسی تعلق کو قبول نہیں کرتا' قرآن کے صریح احکامات ہیں' جو نہ صرف مفاہمت و معاہدات کے قواعد کا تعین کرتے ہیں بلکہ تعلق کی نوعیت کی تشریح بھی کرتے ہیں:

''اللہ کی طرف سے اگر تم پر کوئی پابندی ہے تو وہ یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ' خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو' اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔'' (۳۶)

یہ بھی ضروری ہے کہ تعلق اور رفاقت میں فرق بھی ملحوظ رکھا جائے: ''اے ایمان والوں! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہی میں ہے۔'' (۳۷)

تمہارے رفیق تو اصل حقیقت میں اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے ساتھ جھکنے والے ہیں۔'' (۳۸)

اے ایمان لانے والو! تمہارے پیش رو اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنالیا ہے' انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔'' (۳۹)

''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو'' (۴۰)

تمام جانداروں سے بدتر' اللہ کے نزدیک وہ ہیں' جو کفر کریں' پھر وہ ایمان نہ لائیں' جن سے عہد و پیاں کرلیا پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔''

''اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔'' (۴۱)

''بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں زرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا' نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے' تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو' اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔'' (۴۲)

''اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (۴۳)

اللہ مسلمانوں کو ہدایت دیتے ہیں کہ وہ معاہدات جن کے وقت کا تعین نہ ہو' ان کو اس صورت میں فسخ کرو' کہ فریق دوم کو ۴ مہینے کا پیشگی نوٹس دو۔':

’اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا۔ (پس اے مشرکو!) تم ملک میں چار مہینے تک چل پھر لو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔‘‘ (۴۴)

’’مشرکوں کے لیے عہد اللہ اور اس کے رسول کے لیے کیسے رہ سکتا ہے؟ سوائے ان کے جن سے تم نے عہد و پیمان مسجدِ حرام کے پاس کیا ہے‘ کب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو‘ اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔ ان کے وعدے کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو نہ یہ قرابت داری کا خیال کریں نہ عہد و پیمان کا‘ اپنی زبانوں سے تمہیں پر چار رہے ہیں‘ لیکن ان کے دل نہیں مانتے‘ ان میں سے تو اکثر فاسق ہیں۔‘‘ (۴۵)

’’اگر یہ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ‘ ان کی قسمیں‘ کوئی چیز نہیں‘ ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں۔‘‘ (۴۶)

رسول اللہ ﷺ اور مفاہمت:

جو کسی معاہد کو قتل کرے گا‘ اسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہو گی‘ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔‘‘ (۴۷)

’’چار خصلتیں ہیں جن میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہو گا۔ ایک یہ کہ جب بولے تو جھوٹ بولے‘ دوسرے یہ کہ جب وعدہ کرے تو اس کو توڑ دے‘ تیسرے یہ کہ جب معاہدہ کرے تو اس کو توڑ دے‘ چوتھے جب لڑے تو گالیاں دے۔‘‘ (۴۸)

’’ہر غدار (عہد شکن) کی بے ایمانی کا اعلان کرنے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہو گا جو اس کے غدر کا ہم قدر ہو گا‘ اور یاد رکھو کہ جو سردار قوم غدر کرے اس سے بڑا کوئی غدار نہیں۔‘‘ (۴۹)

’’ابو رافعؓ راوی ہیں کہ مجھے قریش نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضور ﷺ کو دیکھتے ہی میرے دل میں اسلام اتر گیا۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں تو اب کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں معاہدے میں غداری نہیں کرتا اور نہ سفیروں کو قتل کر سکتا ہوں۔ تم اس وقت تو واپس جاؤ پھر اگر تمہارے دل میں یہی جذبہ باقی رہے تو واپس آ جانا۔ غرض اس وقت تو میں واپس ہو گیا‘ اس کے بعد دوبارہ آ کر اسلام لایا۔‘‘ (۴۹)

’’غور سے سن لو! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا ان کے حقوق میں کمی کرے گا‘ یا برداشت سے زیادہ ان پر بار ڈالے گا یا ان کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے گا‘ تو اس کے خلاف میں قیامت کے دن مدعی بن کر دعویٰ دائر کروں گا۔‘‘ (۵۰)

آپ ﷺ کے معاہدات کی مضبوطی کا یہ حال تھا کہ معاہدۂ جہنیہ میں لکھتے ہیں: جب تک کوہ احد اپنے مقام پر رہے اور سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔‘‘ (۵۱)

مفاہمت ہائے رسول ﷺ کا اساسی مقصد:

اسلامی قانون کی رو سے اسلامی معاہدوں کا مقصد اور غایت وہی ہے جو اسلامی حکومت کی غایت ہے۔نظریہ توحید کے مطابق تمام دنیا کے تعلقات کی توحید [تشکیل] اور تمام انسانوں کی بہتری' ساری دنیا میں امن کا قیام' ظلم کا خاتمہ اور اسلام کی رہنمائی (لیڈر شپ) میں دنیا کے باشندوں کی معاشی' سیاسی اور اجتماعی حقوق کی مساوات۔اسلامی حکومت ایک عالمگیر حکومت ہے اور وہ اس حیثیت سے بین الاقوامی تعلقات کو بروئے کار لاتی ہے' لیکن معاہدوں کی وجہ سے اصل مقصد سے دستبردار نہیں ہوتی۔'' (۵۲)

مفاہمت کے لیے پائیدار حکمتِ عملی اور تعلیمات رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی مفاہمانہ حکمتِ عملی کے بنیادی مآخذ:

رسول اللہ ﷺ کی مفاہمانہ حکمتِ عملی کے بنیادی مآخذ وحی' کتاب اللہ اور شوریٰ رہے ہیں؛ دراصل ایک اسلامی نظریاتی ریاست' مفاہمتی عمل کے لیے پائیدار حکمتِ عملی کی تشکیل بھی مؤخر الذکر دو بنیادی مآخذ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول ﷺ کی بنیاد پر کرے گی:

''اسلامی نظامِ حکومت اور سیاست شرعیہ کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ رب العالمین کی صفت ہے۔ماخذِ قانون عقلِ انسانی نہیں بلکہ وحیِ خداوندی ہے اور بالادستی قرآن وسنّت کو حاصل ہے۔'' (۵۳)

''اسلام میں دو چیزیں ہیں' کتاب اور سنّت۔کتاب سے مقصود خدا کے احکامات ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں اور سنّت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں' وہ راستہ جس پر پیغمبر ﷺ خداتعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے' یعنی آپ ﷺ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے۔ (۵۴)

''یہ اللہ کی کتاب ہے' جس میں گزشتہ قوموں کے حالات ہیں اور آنے والے لوگوں یا واقعات کی خبر ہے۔ یہ کتاب تمھارے درمیان پیش آنے والے معاملات کے لیے حکم (فیصلہ کن قانون) ہے۔یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔جس نے اس کی بات کی تو اس نے سچ بولا' جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر ملے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کا فیصلہ کیا۔'' (۵۵)

''میں نے تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔جب تم اس کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنّت'' (۵۶)

قرآن وحدیث کے بعد اسلامی ریاست میں قانون سازی کا بنیادی اختیار ''شوریٰ'' کے پاس ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنّت یہی ہے۔

''اسلامی نظامِ حکومت اور اسلامی ریاست کا دوسرا بنیادی اصول ہے ''الشوریٰ'' یعنی سربراہِ ریاست کی

تقرری مسلمانوں کے معتمد نمائندوں پر مشتمل مجلسِ شوریٰ کرے گی اور تقرر کے بعد بھی تمام فیصلے مجلسِ شوریٰ کی منظوری سے کیے جائیں گے۔" (۵۷)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں وحیِ الٰہی اور قرآن ہی کی بنیاد پر تمام تر فیصلے کیے: "میں تیری مدد سے بحث کرتا ہوں اور تیری وحی پر فیصلہ کرتا ہوں۔" (۵۸)

اور جہاں وحی یا قرآنی حکم نہ پایا وہاں آپ ﷺ نے قرآن کے اس حکم پر عمل کر کے صحابہ کرامؓ سے رجوع کیا:

"اور ان سے ہر اہم معاملے میں مشورہ کرتے رہو پھر (مشورے کے بعد) جب تم نے عزم وارادہ کرلیا ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو' اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے' بھروسہ کرنے والوں سے۔(۵۹)

"یہ حکم امت کے لیے مشاورت کی سنت کی بنیاد رکھتا ہے۔" (۶۰)

سب (مفسّرین) نے لکھا ہے کہ امرھم شوریٰ بینھم کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصوص معاملات میں مشورے سے فیصلہ کرنا مسلمانوں پر لازم ہے اور یہ ایک اٹل حکم ہے۔" (۶۱)

رسول اللہ ﷺ کو مشاورت کا حکم ان دینی امور کے بارے میں دیا گیا تھا جن کے متعلق اللہ کی جانب سے واضح ہدایت موجود نہ ہوتیں اور ان دنیوی اور انتظامی امور میں بھی مشاورت کا یہی حکم دیا گیا تھا جن کی بنیاد رائے اور ظنِ غالب پر ہوتی۔" (۶۲)

"حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر ہمارے درمیان کوئی واقعہ پیش ہو جائے جس کے بارے میں نہ کوئی امر ہو اور نہ نہی' تو ایسے واقعے کے متعلق آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اس بارے میں عبادت گزار اور دیانت دار ماہرینِ شریعت سے مشورہ لیا کرو اور انفرادی رائے اختیار نہ کرو۔" (۶۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ لوگوں سے مشورہ کرنے والا ہو۔" (۶۴)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مشورہ کرنے والا شخص کبھی حق سے محروم نہیں ہوتا اور اپنی ذاتی رائے کو کافی سمجھنے والا کبھی سعید نہیں ہو سکتا۔" (۶۵)

"گذشتہ انبیاء کے بعد دوسرے انبیاء و رسل بھی آتے رہتے تھے اس لیے اس دور میں مشورے کی اتنی اہمیت نہیں تھی مگر محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آتا اس لیے آپ ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشاورت کی زیادہ تاکید کی گئی تا کہ امت' آئندہ آپ ﷺ کے اس اسوہ حسنہ پر عمل کرتی رہے اور پیش آمدہ معاملات میں فقہا عابدین کی باہمی مشاورت اور اجتہاد سے حکم معلوم کرے۔" (۶۶)

شوریٰ کی قانونی حیثیت:

''شوریٰ کی بنیاد ایک ایسے حکم اور آئینی تعامل پر ہے جو کبھی کمزور نہیں ہو سکتا۔ اس کی قانونی حیثیت کے اظہار کے لیے پہلی بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے اور حکم بھی کسی معمولی انسان اور معمولی قوم کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے سردار اعظم ﷺ کے لیے' اور دنیا کی اس عظیم الشان عالمگیر قوم کے لیے جس کو عرشِ اعظم سے خیر الملل کا خطاب عطا کیا گیا ہے۔ یعنی اس پیغمبر کے لیے جس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں اور اس قوم کے لیے جس سے بہتر کوئی قوم نہیں۔'' (۶۷)

رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین نے جن امور پر ''شوریٰ'' سے مشاورت کی' تاریخ نے ان کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا ہے جیسے'' شورائے اذان' شورائے بدر الکبریٰ' شورائے اسارائے بدرِ کبریٰ' شورائے اُحد' شورائے خندق' شورائے افک' شورائے حدیبیہ' شورائے اسیرانِ حوازن' شورائے معاذ بن جبل؛ شورائے سقیفہ بن ساعدہ' شورائے حبشِ اسامہ' شورائے مرتدینِ زکوٰۃ' شورائے انتخابِ دوم' شورائے محاذِ عراق' شورائے میثاقِ بیت المقدس' شورائے محاصلِ عراق' شورائے جنگِ نہاوند' شورائے انتخابِ سوم' شورائے انتخابِ چہارم وغیرہم۔

رسول ﷺ اور مفاہمانہ حکتِ عملی:

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا پہلا باضابطہ مفاہمتی عمل' جس میں آپ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس شرکت کی'' حلف الفضول'' ہے۔ رسول ﷺ نے اپنے چچا اور خاندان کے سرکردہ رہنما جناب زبیر بن عبدالمطلب کی قیادت میں اس مفاہمتی عمل میں شرکت کی۔ آپ ﷺ نے اس معاہدے کے متعلق فرمایا:

''اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے' تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کے لیے بلایا جاؤں تو بھی اس شرکت کو ضرور قبول کروں گا۔'' (۶۸)

حربِ فجار نے بعض طبیعتوں کو اس بات پر مائل کر دیا تھا کہ زمانہ سابق میں انسدادِ قتل و غارت گری کے لیے ''فضل بن فضالہ' فضل بن وداعہ اور فضل بن حارثہ'' نے مفاہمت کے جس معاہدے کی بنیاد رکھی تھی' اس کی تجدید کی جائے۔ لہٰذا زبیر بن عبدالمطلب اس معاہدے کے محرک ہوئے اور ان کی سرکردگی میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر بنو ہاشم' بنو زہرہ اور بنو تیم میں معاہدہ ہوا' جس کی کیفیت یہ تھی کہ:

''اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت و نصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا' دیسی ہو پردیسی' حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔'' (۶۹)

خود زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے اشعار میں اس مفاہمت کا نقشہ یوں کھینچا:

''فضل بن فضالہ' فضل بن وداعہ اور فضل بن حارثہ نے سب سے اس امر پر عہد اور حلف لیا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہ سکے گا''

اس پر سب نے پختہ عہد کیا۔ پس مکہ میں پڑوسی اور آنے والا سب مامون و محفوظ ہیں۔"(۷۰)

اس معاہدے کے بطن سے عالمی امن اور دنیا کو امن و سلامتی کی بستی بنانے کا انوکھا تصور ابھرتا ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ رسول ﷺ کے درج بالا الفاظ مسلمانوں ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ حرمتِ کعبہ تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی بنیاد رکھتا ہے' رواداری باہمی احترام' سینکڑوں سالوں کی جہالت پر مبنی جنگوں کو ہی نہیں مختلف طاقتوں کی موجودہ ہوس پسندی' توسیع پسندی' نفرت و حقارت اور ظلم و جبر پر مبنی پالیسیوں کو بھی بیک جنبش ختم کر دیتا ہے۔ مظلوم کی امداد بلا امتیاز مذہب' رنگ و نسل' قومیت کا حیرت انگیز تصور سامنے لاتا ہے۔ یہ معاہدہ مقامی ہو کر بھی آفاقی قدریں متعارف کرا رہا تھا۔ بین الاقوامی امن کی بنیاد' خود اس کا حصہ بننا ایسے اصول ہیں' جس کی بنیادیں اس معاہدہ میں چھپی نظر آتی ہیں۔ یہ ظالم قوت کے مقابلے میں کمزور کی حمایت کا عجیب مظاہرہ تھا' جس پر آج کی عالمی طاقتوں کی منافقانہ سیاست کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ ﷺ کا یہ اعلان کہ :"اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کے لیے بلایا جاؤں تو بھی اس شرکت کو ضرور قبول کروں گا" اسلامی ممالک کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتا ہے۔

"اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانی کے عالم میں بھی آپ کی سیاسی بصیرت میں قوت فیصلہ کا جوہر موجود تھا اور واقعہ ہونے والے عظیم الشان واقعات کے لیے ایک ایسا نشانِ منزل موجود تھا جو حقیقی منزل پر پہنچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔"(۷۱)

اس معاہدے کی حرمت کا یہ عالم تھا کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک مسلمان اس پر قائم رہے:

"یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زمانہ جاہلیت کے جہلا اس معاہدہ پر زیادہ مدت تک عمل نہیں کر سکے مگر مسلمان پہلی صدی ہجری میں خلافتِ راشدہ کے بعد بھی اس کے پابند رہے۔ انہوں نے وقت کے جبار اور ظالم انسانوں' طاقتوں اور مملکتوں کی سازشوں کا مقابلہ کیا۔ صرف اس لیے تاکہ امن قائم ہو' انصاف بروئے کار آئے۔ انسانی حقوق تسلیم کیے جائیں اور ظالموں کو اتنا بے بس کر دیا جائے کہ ان کے تاریخی مظالم کی پوری تلافی ہو۔"(۷۲)

رسول اللہ ﷺ اور تعمیر کعبہ:

حلف الفضول میں آپ بنو ہاشم کی جانب سے بطور فریق شامل ہوئے' جب کہ تعمیر کعبہ کے تنازعے کو مفاہمت پر منتج کرنے میں آپ ﷺ نے محرک کا کردار ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فہم و فراست' حکمت و تدبر کو پوری انسانیت کے لیے مثال اور عملی نمونہ بنایا۔ کعبہ کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر و توسیع پر قریش کا اتفاق ہوا' اور تمام قبیلوں کو مختلف حصوں کی تعمیر کا کام باہمی رضامندی سے مل گیا تاہم حجر اسود کی تنصیب پر تنازعہ پیدا ہوا اور ہر قبیلے کی خواہش

تھی کہ یہ سعادت ان کو مل جائے۔ چار دن تک اختلاف جاری رہا' اور عرب دستور کے مطابق جان دینے کی قسم کھا کر پیالے میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لی گئیں حتیٰ کہ پانچویں دن بزرگ ابوامیہ بن مغیرہ نے رائے دی کہ صبح سب سے پہلے جو شخص بھی کعبے میں داخل ہوگا وہ اس تنازعے کا فیصلہ کرے گا۔ اللہ کا خاص فضل تھا کہ حسنِ اتفاق سے آپ ﷺ سب سے پہلے کعبے میں داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی صدائیں بلند ہوئیں "ھٰذا محمد الامین رضین ھٰذا محمد الامین" یہ تو محمد امین ہیں' ہم ان کے حکم بنانے پر راضی ہیں۔" (۷۳) آپ ﷺ نے چاروں قبائل کو ایک ایک رہنما کے انتخاب کرنے کی تجویز دی' چاروں قبیلوں سے چار منتخب سردار آئے تو آپ ﷺ نے ایک چادر میں حجرِ اسود رکھا اور چاروں سرداروں نے چادر کا ایک ایک کونہ پکڑا اور مقررہ مقام تک پتھر اٹھا کر لے گئے آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پتھر اُٹھایا اور متعلقہ مقام پر نصب کیا۔ اللہ نے آپؐ کے ہاتھوں سے عظیم کام سرانجام دیا حجرِ اسود کی تنصیب کی سعادت بھی آپ ﷺ کے حصے میں آئی اور ایک اور تنازعہ' جس کے بطن سے سینکڑوں سال پر محیط ایک نئی جنگ کا امکان پیدا ہو رہا تھا' آپ ﷺ کی حکمت و دانش کے طفیل ختم ہوا' حجرِ اسود کی تنصیب اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح آپ ﷺ نے حجرِ اسود کی تنصیب کے ذریعے توحید کی نیو رکھی' اکرام واعزاز حاصل کیا اور ایک خونریز لڑائی کو روکا۔ اسی طرح امتِ محمدی ﷺ بھی اس کرۂ ارض پر توحید کی بنیاد پر ساری انسانیت کے درمیان مفاہمت' امن و رواداری اور عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل کو یقینی بنائے گی۔ جس کا نقشہ حکیم الامت علامہ اقبال نے ان اشعار میں پیش کیا ہے:

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہو وہ کارواں تو ہے

مکاں فانی' مکیں آنی' ازل تیرا' ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے' معمارِ جہاں تو ہے

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جہانِ آب و گل سے عالمِ جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیاء کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (۷۴)

(جاری ہے)